پیکرِ تسلیم و رضا ـــــ میاں طفیل محمدؒ

سید منور حسن

میاں طفیل محمدؒ جماعت اسلامی کے اکابرین میں ایک نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ان جیسی شخصیت اور مزاج کے حامل لوگ اب خال خال دیکھنے کو ملیں گے۔ الفاظ کا ذخیرہ زیادہ دیر تک اور دور تک ساتھ نہیں دیتا وگرنہ درویش صفت کہنا، فقیر منش کا عنوان دینا، سادگی کا ان پر ختم ہوجانا اور للّٰہیت کا پیکر ہونا، مزید یہ کہ بے غرضی اور بے نفسی کا سراپا ہونا، ایسی صفات ہیں جو گفتگو اور تحریر میں بار بار گنوائی گئی ہیں، فی الحقیقت میاں صاحب مرحوم ان تمام صفات اور خصوصیات کا مرقع تھے۔

میاں صاحب پر اللہ کا کرم ہوا کہ ان کا تعارف سید مودودیؒ سے ہوگیا اور مولاناؒ کو ایک بے ریا، محنتی، فرض شناس اور حقیقی معنوں میں متقی کارکن میاں صاحبؒ کی صورت میں انعام خداوندی کے طور پر مل گیا۔ دنیوی لحاظ سے تو یہ سراسر گھاٹے کا سودا تھا کہ شان دار تعلیمی کیریئر، اپنی ریاست میں پہلا مسلمان وکیل جس کے سامنے بے شمار مواقع و امکانات ہاتھ باندھ کر کھڑے تھے، اور ریاست کا راجا مُصر تھا کہ ہائی کورٹ کی ججی دلوا دے گا مگر وہ میاں طفیل محمد ہی کیا جو ان چیزوں میں الجھ جاتے۔ یہ ساری باتیں فی الحقیقت ان کی نظر میں فروعات کی حیثیت رکھتی تھیں، اصل بات فریضۂ اقامتِ دین تھا۔ یہی ان کی بابرکت زندگی کا نصب العین اور جلی عنوان بنا۔ اس نصب العین کی معرفت انھیں سید مودودیؒ سے حاصل ہوئی۔ اس لیے وہ ساری عمر کے لیے سید علیہ الرحمہ کے احسان مند بھی ہوئے اور نیاز مند بھی۔ میاں صاحبؒ بلاشبہہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے سامنے دنیا اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ کھڑی تھی مگر اس مردِ درویش نے اس پر ایک نگہِ غلط انداز

ڈالنا بھی گوارا نہ کیا۔ سچ بھی یہی ہے کہ جو آدمی یکسو ہو جائے اور اپنے مقصدِ حیات کی معرفت حاصل کرلے، اس کے سامنے دنیا کی حیثیت مردار سے زیادہ نہیں ہوتی۔ علامہ اقبالؒ نے میاں صاحب جیسے لوگوں کے لیے کہا تھا ع

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے

بظاہر میاں صاحبؒ نے عسرت اور تنگ دستی کی زندگی گزاری مگر عشقِ الٰہی سے سرشار لوگوں کا نشہ کوئی ترشی اتار نہیں سکتی۔ سید مودودیؒ سے ان کی محبت اور عقیدت کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ میرے محسن ہیں اور مجھے ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے آئے ہیں۔ جس شخص کے ذریعے انھوں نے زندگی کے نصب العین کو سمجھا اور زندگی کے مقاصد کو پہچانا اور جس شخص کے ذریعے ان میں دنیاداری سے بہت دور اپنے آپ کو بسانے اور دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کا جذبہ بیدار ہوا، اس کی قدرومنزلت، دل و دماغ کی دنیا میں اس کا مقام اور اس سے تعلّقِ خاطر، بلاشبہہ یہ احسان شناسی ہے اور ساری عمر ''مرہون منت'' رہنے کا عنوان بھی۔ یہ میاں طفیل محمدؒ کی شخصیت کا ایک ایسا پہلو ہے جو انسانی قدروں اور اخلاقیات کے ہر تقاضے کو پورا کرتا دکھائی دیتا ہے۔

میاں طفیل محمدؒ اپنی سوچ اور فکر کے اعتبار سے پختہ رائے کے حامل کہے جاسکتے ہیں۔ رائے قائم کرنے میں جس بصیرت و بصارت اور فراست کی ضرورت ہوتی ہے، میاں صاحب ان تمام حوالوں سے آراستہ و پیراستہ تھے، اور کبھی کبھی سخت گیری کی حد تک بھی اپنی رائے پر عمل درآمد کے لیے کوشاں نظر آتے تھے۔ تاہم یہ بات بھی درست ہے کہ اپنی رائے کو پیش کرنے اور کسی مجلس سے اس کی ہم نوائی حاصل کرنے میں جس ملکہ اور جن خصوصیات کی ضرورت پڑتی ہے، بظاہر میاں صاحبؒ کی شخصیت میں ان کی کمی محسوس ہوتی تھی، اور وجہ یہ ہے کہ وہ معروف معنوں میں زبان آور یا چرب زبان نہیں تھے، اکل کھرے آدمی تھے۔ کم لوگ اس بات کو پوری طرح جانتے ہوں گے کہ میاں صاحبؒ کی تحریر میں جو جامعیت اور شستگی تھی، ان کی زبان و بیان ہرگز اس کا پاسنگ نہ تھے۔ ان کی تحریر میں بلاغت، سلاست اور جامعیت، سبھی کچھ پایا جاتا ہے۔ تقریر یا گفتگو میں ان کا لہجہ کچھ اور تھا۔ ان کی تحریر میں بعض دفعہ تو سید مودودیؒ کا رنگ

جھلکتا نظر آتا تھا۔ جن لوگوں نے میاں صاحب کی دست نوشت تحریر دیکھی ہے، وہ گواہی دیں گے کہ اس میں بھی سیدمو دودیؒ کے ساتھ مشابہت موجود تھی۔ اگر میاں صاحب لکھنا شروع کر دیتے تو بلاشبہہ آسانی سے مصنّفین کی صف میں شامل ہو سکتے تھے مگر پھر جماعتی ذمہ داریاں کیسے پوری ہوتیں۔

اس میدان میں میاں صاحب کی شخصیت اپنے مقصد زندگی کے علاوہ باقی معاملات سے بے نیاز نظر آتی ہے۔ ابتدا ہی سے جماعت اسلامی کی تنظیمی ذمہ داریوں، رپورٹوں، ان پر تبصروں اور معاملات وتنازعات کو نمٹانے میں اس حد تک ڈوب کر اپنے آپ کو پانے کا عمل جاری رہا کہ سر کھجانے کی فرصت میسر نہ آتی تھی، اس پر مستزاد تنظیمی دوروں، کارکنوں کی خبرگیری، ان کے دکھ درد سے آشنا ہونے اور ان کی سیرت وکردار کے ہر جھول کو دور کرنے میں میاں صاحبؒ اس قدر مصروف رہے کہ قلم وقرطاس کے ذریعے اپنی تحریر کا ذوق لوگوں میں پیدا نہ کر سکے۔ جماعت اسلامی کی رودادوں میں اور بعض دیگر مقامات اور عنوانات کے حوالے سے ان کی بعض تحریریں یا تقریریں دیکھنے کو ملتی ہیں جو ان کے ذہنِ رسا کی گواہی دیتی ہیں۔ دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات میں ان کا مضمون اس کے باوجود کہ وہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے مضامین کے ساتھ طبع ہوا ہے، اپنی انفرادیت منواتا ہے اور ہر پڑھنے والے سے داد وصول کرتا ہے۔

مجھے ان کی کتابِ زیست کے اَن گنت اوراق اپنے سامنے کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کی پوری زندگی مربوط کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جیسے میاں صاحبؒ نے نماز کو اپنی زندگی کا امام قرار دیا ہوا تھا۔ انھیں نماز پڑھتا دیکھ کر پتا چلتا تھا کہ خاصانِ خدا کی نماز کیسی ہوتی ہے۔ ان کی کتابِ زندگی کی ورق گردانی کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان کی زندگی کا محور نماز ہے اور نماز کے پرتو سے ان کی زندگی جگمگا اٹھی ہے۔ جس اہتمام وتیاری سے اور جس درجہ ڈوب کر انھیں ہمیشہ نماز پڑھتے دیکھا گیا اور نماز کو باجماعت پڑھنے کی حرص کو ہمیشہ بیدار پایا گیا، ان کا یہ عمل دیکھنے والے کو مجسمۂ حیرت بنا دیتا تھا۔ میاں صاحب اپنی ذات میں اول وآخر جماعت تھے۔ نماز میں بھی باجماعت نماز کے حریص تھے۔ اور خشوع وخضوع ایسا کہ ادھر میاں صاحب

نے اُٹھ کر نیت باندھی اور ادھر ان کا رابطہ دنیا سے منقطع ہوگیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی دوسری ہی دنیا میں پہنچے ہوئے ہیں۔ اس قدر ڈوب کر نماز پڑھتے تھے کہ خشوع وخضوع گویا ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ میاں صاحب کو اس عالم میں دیکھ کر کارکنوں کی نمازوں میں بھی نکھار پیدا ہوتا تھا۔ اس طرح کی نماز اپنے رب سے بندے کا براہ راست رابطہ قائم کروادیتی ہے۔ یہ چیز حاصل ہوگئی تو دونوں جہانوں کی دولت نصیب ہوگئی۔ اپنی عمر کے آخری حصے میں بینائی سے محرومی کی وجہ سے خود مسجد میں نہیں آسکتے تھے۔ ان کے بیٹے اور بعض اوقات پوتے ان کو مسجد میں لاتے تھے۔ یہ لوگ بتاتے ہیں کہ میاں صاحبؒ ان کی اس خدمت پر اتنا شکریہ ادا کرتے تھے کہ یہ لوگ شرمندہ ہوجاتے۔ میاں صاحبؒ اس حوالے سے انفرادیت کے حامل تھے کہ جب نماز کے لیے آتے تو جہاں جگہ ملتی، وہیں نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے۔ کبھی کبھی پچھلی صف میں کھڑے ہوئے، کسی کی نظر پڑگئی تو اس نے پہلی صف میں جگہ پیش کی تو بڑی مشکل سے اس طرح کی پیش کش قبول فرماتے۔ میاں صاحبؒ کی خوش قسمتی کا کیا ٹھکانہ کہ انھوں نے اپنی زندگی کی آخری نماز بھی باجماعت ادا کی اور اس روز سب ملنے والوں سے بڑی بشاشت سے ملے اور سب کو دعائیں دیں۔ اسی طرح انھوں نے اپنی زندگی کے آخری رمضان کی تراویح مسجد میں آکر پڑھیں اور پورا قرآن کھڑے ہوکر سنا۔ ان کی زندگی سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ نماز سے اس میں نکھار پیدا کیا جائے اور پھر نکھری سنوری زندگی سے نماز کو 'کل سے بہتر آج اور آج سے بہتر ہو کل' کا عنوان دیا جائے۔

میاں طفیل محمدؒ نے ایک لمبی عمر پائی اور لمبی عمر کی جتنی آزمائشیں ہوتی ہیں، ان سب سے وہ دوچار رہے۔ بینائی کا ختم ہوجانا، سماعت کا حددرجہ متاثر ہونا، جسم وجان کی توانائیوں کا انحطاط و اضمحلال وغیرہ، لیکن ان حوالوں میں سے کوئی حوالہ ان کے لب و لہجے میں تندی و ترشی پیدا نہ کرسکا اور گلے شکوے کا کوئی پیرایہ ڈھونڈے سے بھی نہ مل سکا۔ میاں صاحبؒ ہمیشہ رضا بہ قضا نظر آئے، صبر وتحمل کا کوہِ گراں دیکھے گئے اور کسی سطح پر بھی احتجاج اور آزار کا پہلو دیکھنے میں نہ آیا۔ کم وبیش ۹۶ سال عمر پانے والا ایک شخص زندگی کے آخری لمحے تک صبر و رضا کا پیکر رہے تو اسے کیا نام دیا جائے اور شخصیت کے اس دریا کو کس کوزے میں بند کیا جائے۔ انسانی سطح پر یہ کردار اللہ

تبارک وتعالیٰ کی صفات پر گہرا ایمان رکھنے، اس کے ہر فیصلے پر راضی رہنے اور اسی سے خیر و صلے کی بھرپور توقع رکھنے والے کا ہی ہوسکتا ہے۔

جماعت اسلامی کی امارت سے فراغت کے بعد بھی تقریباً ۲۲ سال تک میاں صاحبؒ جماعت میں رکنیت کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ۱۹۹۳ء میں پالیسی مسائل پر اختلافات ابھرے تو کئی اہم اور پرانے ذمہ دار حضرات الگ جماعت بنانے کے لیے کوشاں نظر آئے اور سب کو یہ بات واضح طور پر معلوم تھی کہ اس خلفشار میں میاں صاحبؒ کی شخصیت فیصلہ کن کردار ادا کرسکتی ہے، اختلافِ راے اور اظہارِ راے میں وہ پیش پیش بھی تھے لیکن ایک ایسی مجلس میں جس میں بالآخر نئی جماعت بنانے کا فیصلہ ہونا تھا، میاں صاحب محترم نے یہ کہہ کر بہت سوں کو ورطۂ حیرت اور بعض کو سکتے میں ڈال دیا کہ ''ہم الگ جماعت کیوں بنائیں، ہماری جماعت تو جماعت اسلامی ہے، اگر اس میں خرابیاں ہیں تو ہم انھیں دُور کریں گے، اگر یہ اپنی منزل سے ہٹ رہی ہے تو اصلاح کریں گے''۔ مزید ارشاد فرمایا: ''اب سے پہلے جو لوگ جماعت سے الگ ہوئے اور ان میں سے بعض نے نئی جماعت بنانے کی کوشش کی، ان سب کی کارکردگی اور انجام کس سے مخفی ہے، لہٰذا ہم اندھیرے میں تیر چلانے کے بجاے جو کچھ نظروں کے سامنے ہے، اس کی کمزوری کو رفع کریں گے اور پوری جماعت کو صحیح رخ پر استوار کریں گے''۔

میاں صاحب کے اس عزم نے اَن گنت لوگوں کو اپنی راے پر نظرثانی کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد ۱۶ سال تک میاں صاحبؒ جماعت میں رہے، خود بھی یکسوئی اور انشراح صدر کا پیکر بنے رہے اور جماعت کے ذمہ داران کو بھی تمام امور میں مشورہ دیتے رہے اور ان کے کیے کی تحسین کرتے رہے۔ شفقت اور سرپرستی کا مظاہرہ بھی جاری رہا اور کہنے سننے کے دروبست بھی کھلے رہے۔ غرض میاں طفیل محمدؒ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، اپنی سوچ اور فکر میں تحریک اور انقلاب تھے اور اپنے عمل اور جستجو میں بامقصد اور باعمل تھے۔ ایک پورا دفتر ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کو بیان کرنے کے لیے کھولا جاسکتا ہے۔ انفرادی سطح پر خوشہ چینی اور ان سے سیکھنے کے اَن گنت حوالے موجود ہیں۔ اور یقین سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ع

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا